ہر کام چھوٹا ہو یا بڑا اس کے انجام کا مدار قیّوم عالم کی رحمانیت اور رحیمیت ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۶؍ستمبر ۱۹۷۷ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہّد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

انسان روزانہ ہی مختلف قسم کے کام کرتا ہے مگر جہاں تک علم حاصل کرنے کا تعلق ہے گو انسان ساری عمر ہی علم سیکھتا رہتا ہے لیکن علم سیکھنے کی ایک عمر ہے یعنی کم عمر کے بچّے اور نوجوان دنیوی علوم بھی سیکھ رہے ہوتے ہیں اور دینی علم بھی ان کو سکھایا جا رہا ہوتا ہے۔ پس علم سیکھنا بھی ایک کام ہے۔ ہوائی جہاز اڑانا بھی ایک کام ہے۔ ہل چلانا بھی ایک کام ہے۔ ہزار ہا قسم کے مختلف کام ہیں جو انسان کرتا ہے اور سارا دن ہی کام کرنے میں گزر جاتا ہے اِلّا ماشاء اللہ۔ بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو نکمّے بیٹھے رہنے کے عادی ہوتے ہیں لیکن عام طور پر انسان کو کوئی نہ کوئی کام کرنا پڑتا ہے اور وہ لوگ جو دعاؤں میں اپنا وقت گزارنے والے ہیں دعا بھی ایک کام ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تدبیر دعا ہے اور دعا تدبیر ہے۔ پس بیسیوں بلکہ سینکڑوں کام ہیں جو ہم روزانہ کرتے ہوں گے۔ کوئی کام چھوٹا ہوتا ہے اور کوئی کام بڑا ہوتا ہے۔ کوئی کام کم اہمیت کا ہوتا ہے اور کوئی کام زیادہ اہمیت کا ہوتا ہے۔ انسانی زندگی ایک مسلسل عمل اور جدوجہد کا نام ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے شروع میں ہمیں سکھایا ہے کہ ہر عمل سے پہلے وہ چھوٹا ہو یا بڑا اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنی چاہیئے۔ دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مدد فرمائے اور جو کام کرنا ہے وہ برکتوں والا ہو اچھے نتائج

نکلیں۔ اس میں انسان کامیاب ہوجائے اور بعض کام بڑے ذی شان ہوتے ہیں ان کے لئے خصوصاً زیادہ دعائیں کرنی پڑتی ہیں۔

چھوٹے بچوں اور بڑوں کو بھی سمجھانے کے لئے مَیں ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں۔ انسان کھانا کھاتا ہے یہ بھی اس کا ایک عمل ہے مگر یہ عمل ہے ہمارے دانتوں کا۔ یہ عمل ہے ہماری زبان کا۔ یہ عمل ہے ہمارے ہونٹوں کا۔ مُنہ کا سارا حصہ لقمے کو ایک چکر دے رہا ہوتا ہے اور انسان کے دانت اسے چبا رہے ہوتے ہیں۔ پھر وہ غذا معدے میں جاتی ہے وہاں اُس پر ایک عمل ہوتا ہے پھر وہ انتڑیوں میں پہنچتی ہے وہاں ایک اور عمل ہوتا ہے۔ غرض انسان کھانا کھانے سے ایک عمل کی ابتداء کرتا ہے تو اس کے لئے بھی خدا تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کی ہدایت دی گئی ہے لیکن سب سے اہم کام قرآن کریم سیکھنا ہے اور اس کے علوم حاصل کرنے ہیں اور قرآن کریم کے اسرار سے واقفیت پیدا کرنی ہے اور قرآن کریم پر عمل کرنے کی توفیق اپنے رب سے چاہنی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کو شروع کیا بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سے۔ خدائے رحمان اور خدائے رحیم سے یہ دعا مانگی گئی ہے کہ وہ اپنی رحمانیت کے نتیجہ میں بھی اور رحیمیّت کے نتیجہ میں بھی ہمیں قرآن کریم سیکھنے اور اس پر ایسا عمل کرنے کی توفیق دے جس کے اچھے نتائج نکلیں۔

رحمانیت کے معنی ہیں بغیر عمل کے رحمت کرنے والا۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو دماغ دیا ہے وہ گو فرد فرد کے لحاظ سے مختلف استعدادوں والا ہے لیکن ہر قسم کے دماغ کے لئے قرآن کریم میں تعلیم موجود ہے۔ پیدائش کے وقت بچے کے سر میں دماغ ہوتا ہے اس سے اس کا تعلق ہوتا ہے مگر یہ اس کے کس عمل کا نتیجہ ہے؟ ظاہر ہے اس کے کسی عمل کا نتیجہ نہیں ہے۔ ہم جو گندم کھاتے ہیں یا دوسرے اناج کھاتے ہیں ان کے اگانے کے لئے زمین ہے۔ ہماری پیدائش سے بھی خدا جانے کتنا زمانہ پہلے اس کی پیدائش ہو چکی تھی۔ ہر دو جہاں کا ایک نظام ہے جو آہستہ آہستہ Develop ہوا ہے اور ارتقائی مدارج سے گزرتے ہوئے اس مقام تک پہنچا کہ زمین انسانی زندگی کو برداشت کرنے لگی اور انسان کی ترقیات کے سامان پیدا کرنے لگی۔ یہ سب رحمانیت کے فیض ہیں انسان کے عمل کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کی رحمت بارش کی طرح

اس کے اوپر برس رہی ہے۔

پھر رحیمیت ہے۔ انسان کام کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کا نتیجہ نکالتا ہے لیکن بیسیوں آدمی کام کرتے ہیں مگر بے نتیجہ ہوتے ہیں۔ مثلاً مشہور ہے کہ بعض لوگ مٹی کو ہاتھ لگائیں تو وہ سونا بن جاتی ہے اور بعض لوگ سونے کو ہاتھ لگائیں تو وہ مٹی بن جاتا ہے کیونکہ ان کے کام میں برکت نہیں ہوتی۔ برکت تو آسمان سے آتی ہے۔ چنانچہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اور کامل شریعت کے نزول کے بعد قرآن کریم کی تلاوت جو انسانی زندگی کا سب سے اہم کام ہے اسے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سے شروع کیا۔ خدا تعالیٰ سے مدد چاہی قرآن کریم سیکھنے کی، اسے سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق پانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت تھی اس کے لئے دعا مانگی۔ آج کا فلسفی بیوقوفی سے جاہلانہ طور پر بہت سے اعتراض کرتا ہے۔ اس تفصیل میں تو مَیں اس وقت نہیں جاؤں گا مَیں اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک لمبا حوالہ پڑھ کر دوستوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ جو ہدایت کی ہے کہ ہر عمل خصوصاً ذی شان اعمال میں سے کوئی عمل کرنے سے پہلے خدا تعالیٰ سے مدد طلب کیا کرو تا کہ انسان اپنی کوششوں میں ناکام نہ ہو جائے، اس لئے دوست اس حوالے کو غور سے سنیں اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

’’پس صادق آدمی جس کے رُوح میں کسی قسم کے غرور اور عُجب نے جگہ نہیں پکڑی اور جو اپنے کمزور، ہیچ اور بے حقیقت وجود پر خوب واقف ہے اور اپنے تئیں کسی کام کے انجام دینے کے لائق نہیں پاتا اور اپنے نفس میں کچھ قوّت اور طاقت نہیں دیکھتا جب کسی کام کو شروع کرتا ہے تو بلا تصنّع اس کی کمزور روح آسمانی قوت کی خواستگار ہوتی ہے اور ہر وقت اس کو خدا کی مقتدر ہستی اپنے سارے کمال و جلال کے ساتھ نظر آتی ہے اور اس کی رحمانیت اور رحیمیّت ہر یک کام کے انجام کے لئے مدار دکھلائی دیتی ہے۔ پس وہ بلا ساختہ اپنا ناقص اور ناکارہ زور ظاہر کرنے سے پہلے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کی دعا سے امداد الٰہی چاہتا ہے۔ پس اس انکسار اور فروتنی کی وجہ سے اس لائق ہو جاتا ہے کہ خدا کی قوّت سے قوت اور خدا کی

طاقت سے طاقت اور خدا کے علم سے علم پاوے اور اپنی مرادات میں کامیابی حاصل کرے۔ اس بات کے ثبوت کے واسطے کسی منطق یا فلسفہ کے دلائل پُر از تکلف درکار نہیں ہیں بلکہ ہر یک انسان کے رُوح میں اس کے سمجھنے کی استعداد موجود ہے اور عارف صادق کے اپنے ذاتی تجارب اس کی صحت پر بہ تواتر شہادت دیتے ہیں۔ بندہ کا خدا سے امداد چاہنا کوئی ایسا امر نہیں ہے جو صرف بے ہُودہ اور بناوٹ ہو یا جو صرف بے اصل خیالات پر مبنی ہو اور کوئی معقول نتیجہ اس پر مترتب نہ ہو بلکہ خداوند کریم کہ جو فی الحقیقت قیومِ عالم ہے اور جس کے سہارے پر سچ مچ اس عالم کی کشتی چل رہی ہے اس کی عادتِ قدیمہ کے رو سے یہ صداقت قدیم سے چلی آتی ہے کہ جو لوگ اپنے تئیں حقیر اور ذلیل سمجھ کر اپنے کاموں میں اس کا سہارا طلب کرتے ہیں اور اس کے نام سے اپنے کاموں کو شروع کر دیتے ہیں تو وہ ان کو اپنا سہارا دیتا ہے۔ جب وہ ٹھیک ٹھیک اپنی عاجزی اور عبودیت سے روبخدا ہو جاتے ہیں تو اُس کی تائیدیں ان کے شامل حال ہو جاتی ہیں۔ غرض ہر یک شاندار کام کے شروع میں اس مبداء فیوض کے نام سے مدد چاہنا کہ جو رحمان و رحیم ہے ایک نہایت ادب اور عبودیت اور نیستی اور فقر کا طریقہ ہے اور ایسا ضروری طریقہ ہے کہ جس سے توحید فی الاعمال کا پہلا زینہ شروع ہوتا ہے جس کے التزام سے انسان بچوں کی سی عاجزی اختیار کر کے ان نخوتوں سے پاک ہو جاتا ہے کہ جو دنیا کے مغرور دانشمندوں کے دلوں میں بھری ہوتی ہیں اور پھر اپنی کمزوری اور امدادِ الٰہی پر یقین کامل کر کے اس معرفت سے حصہ پالیتا ہے کہ جو خاص اہل اللہ کو دی جاتی ہے اور بلا شبہ جس قدر انسان اس طریقہ کو لازم پکڑتا ہے جس قدر اس پر عمل کرنا اپنا فرض ٹھہرا لیتا ہے۔ جس قدر اس کے چھوڑنے میں اپنی ہلاکت دیکھتا ہے اسی قدر اس کی توحید صاف ہوتی ہے اور اسی قدر عُجب اور خود بینی کی آلائشوں سے پاک ہوتا جاتا ہے اور اُسی قدر تکلّف اور بناوٹ کی سیاہی اس کے چہرہ پر سے اُٹھ جاتی ہے اور سادگی اور بھولا پن کا نور اس کے منہ پر چمکنے لگتا ہے۔ پس یہ وہ صداقت ہے کہ جو رفتہ رفتہ انسان کو فنافی اللہ کے مرتبہ تک پہنچاتی ہے یہاں تک کہ وہ

دیکھتا ہے کہ میرا کچھ بھی اپنا نہیں بلکہ سب کچھ مَیں خدا سے پاتا ہوں۔ جہاں کہیں یہ طریق کسی نے اختیار کیا وہیں توحید کی خوشبو پہلی دفعہ میں ہی اس کو پہنچنے لگتی ہے اور دل اور دماغ کا معطر ہونا شروع ہوتا جاتا ہے بشرطیکہ قوّتِ شامہ میں کچھ فساد نہ ہو غرض اس صداقت کے التزام میں طالبِ صادق کو اپنے ہیچ اور بے حقیقت ہونے کا اقرار کرنا پڑتا ہے اور اللہ جلّشانہٗ کے متصرّف مطلق اور مبدء فیوض ہونے پر شہادت دینی پڑتی ہے اور یہ دونوں ایسے امر ہیں کہ جو حق کے طالبوں کا مقصود ہے اور مرتبۂ فنا کے حاصل کرنے کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔ اس ضروری شرط کے سمجھنے کے لئے یہی مثال کافی ہے کہ بارش اگرچہ عالمگیر ہو مگر تاہم اس پر پڑتی ہے کہ جو بارش کے موقعہ پر آ کھڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ طلب کرتے ہیں وہی پاتے ہیں اور جو ڈھونڈتے ہیں انہیں کو ملتا ہے۔ جو لوگ کسی کام کے شروع کرنے کے وقت اپنے ہُنر یا عقل یا طاقت پر بھروسہ رکھتے ہیں اور خدائے تعالیٰ پر بھروسہ نہیں رکھتے وہ اُس ذات قادر مطلق کا کہ جو اپنی قیّومی کے ساتھ تمام عالم پر محیط ہے کچھ قدر شناخت نہیں کرتے اور ان کا ایمان اس خشک ٹہنی کی طرح ہوتا ہے کہ جس کو اپنے شاداب اور سرسبز درخت سے کچھ علاقہ نہیں رہا اور جو ایسی خشک ہوگئی ہے کہ اپنے درخت کی تازگی اور پھول اور پھل سے کچھ بھی حصہ حاصل نہیں کرسکتی صرف ظاہری جوڑ ہے جو ذرا سی جنبشِ ہوا سے یا کسی اور شخص کے ہلانے سے ٹوٹ سکتا ہے۔ پس ایسا ہی خشک فلسفیوں کا ایمان ہے کہ جو قیّومِ عالم کے سہارے پر نظر نہیں رکھتے اور اُس مبدءِ فیوض کو جس کا نام اللہ ہے ہر یک طرفۃ العین کے لئے اور ہر حال میں اپنا محتاج الیہ قرار نہیں دیتے۔ پس یہ لوگ حقیقی توحید سے ایسے دور پڑے ہوئے ہیں جیسے نور سے ظلمت دُور ہے۔ انہیں یہ سمجھ ہی نہیں کہ اپنے تئیں ہیچ اور لاشئ سمجھ کر قادرِ مطلق کی طاقتِ عظمیٰ کے نیچے آ پڑنا عبودیت کے مراتب کی آخری حد ہے اور توحید کا انتہائی مقام ہے جس سے فنا اتم کا چشمہ جوش مارتا ہے اور انسان اپنے نفس اور اس کے ارادوں سے بالکل کھویا جاتا ہے اور سچے دل سے خدا کے تصرف پر ایمان لاتا ہے۔ اس جگہ اُن خشک فلسفیوں کے اس

مقولہ کو بھی کچھ چیز نہیں سمجھنا چاہیئے کہ جو کہتے ہیں کہ کسی کام کے شروع کرنے میں استمدادِ الٰہی کی کیا حاجت ہے۔ خدا نے ہماری فطرت میں پہلے سے طاقتیں ڈال رکھی ہیں پس اُن طاقتوں کے ہوتے ہوئے پھر دوبارہ خدا سے طاقت مانگنا تحصیلِ حاصل ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ بے شک یہ بات سچ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے بعض افعال کے بجالانے کے لئے کچھ کچھ ہم کو طاقتیں بھی دی ہیں مگر پھر بھی اس قیوم عالم کی حکومت ہمارے سر پر سے دور نہیں ہوئی اور وہ ہم سے الگ نہیں ہوا اور اپنے سہارے سے ہم کو جُدا کرنا نہیں چاہا اور اپنے فیوضِ غیر متناہی سے ہم کو محروم کرنا روا نہیں رکھا۔ جو کچھ ہم کو اس نے دیا ہے وہ ایک امر محدود ہے اور جو کچھ اس سے مانگا جاتا ہے اس کی نہایت نہیں''۔ (براہینِ احمدیہ ہر چہار حصص۔ روحانی خزائن جلد نمبر ۱ صفحہ ۴۲۴ تا ۴۲۷)

پس اگر تو ہم نے وہیں ٹھہرنا ہو جہاں تک ہماری اپنی طاقت ہمیں اپنی ہزار کمزوریوں اور غلطیوں کے باوجود پہنچا سکتی ہے تو ایک فلسفی خوش ہوسکتا ہے لیکن یہ خوشی اسے ہی مبارک ہو۔ خدا تعالیٰ کا ایک عاجز جسے یہ بصیرت عطا کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو غیر متناہی ترقیات کے لئے پیدا کیا ہے، وہ ''محدود'' پر مطمئن نہیں رہ سکتا اس لئے وہ کام میں تدبیر کے وقت بھی اور دعا کے وقت بھی خدا تعالیٰ سے جو مانگتا ہے وہ غیر متناہی اور غیر محدود ہوتا ہے اور ہر اس انسان کو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مہدی کی جماعت کی طرف منسوب ہوتا ہے اس غیر محدود کی طرف نگاہ رکھنی چاہیئے اور خدا سے بے انتہا مانگنا چاہیئے اور اس کے لئے ہر کام سے پہلے اس کی مدد حاصل کرنی چاہیئے۔ اس کی برکت لینی چاہیئے اور اس کی دعا سے اپنے کاموں کو شروع کرنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ سے ہماری یہ دعا ہے کہ وہ ہمارے تھوڑے کو بہت کر دے اور ہمارے کم کو زیادہ کر دے اور ہماری کمزوری کو طاقت بنا دے اور ہماری غفلت کو بیداری میں تبدیل کر دے۔ خدا کرے کہ خدا کے ایک نیک اور صادق اور خدا کی معرفت رکھنے والے بندہ کے جو اعمال ہوتے ہیں اس کے مطابق ہم سے اعمال سرزد ہوں۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۴؍اکتوبر ۱۹۷۷ء صفحہ ۲ تا ۴)

۞۞۞